حضرت مولانا سرفراز خان صفدر بھی رخصت ہوئے

مولانا زاہد الراشدی

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر میرے والد گرامی تھے، استادِ محترم تھے، شیخ و مربی تھے اور ہمارے درمیان دوستی اور بے تکلفی کا وہ رشتہ بھی موجود تھا جو ہر باپ اور اس کے بڑے بیٹے کے مابین ہوتا ہے۔ ۵ مئی کو صبح ایک، سوا ایک بجے کے لگ بھگ وہ کم و بیش ایک صدی اس دنیا میں گزار کر دار القضاء کی طرف کوچ کر گئے..... انا للہ وانا الیہ راجعون..... میں خود ہجری اعتبار سے ۶۳ سال کا ہو چکا ہوں۔ میرے جذبات و تاثرات کا وہی عالم ہے جو حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا اپنے والد گرامی حضرت مولانا سید محمد زکریا بنوریؒ کی وفات پر تھا۔ وہ مولانا سید یوسف بنوریؒ کی وفات سے کچھ ہی عرصہ قبل اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے تھے۔ اپنے بزرگ باپ کی وفات پر مولانا بنوریؒ رو رہے تھے تو کسی نے دریافت کیا کہ حضرت! آپ کے والد بزرگوار نے ماشاء اللہ خاصی عمر پائی ہے اور بہت اچھی زندگی بھی گزاری ہے، آپ روتے کیوں ہیں؟ فرمایا کہ روتا اس لیے ہوں کہ اب مجھے ''ابے یوسف!'' کہہ کر بلانے والا کوئی نہیں رہا۔ میری کیفیت بھی کچھ اسی طرح کی ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اب ''زاہد کو بلاؤ'' کون کہے گا؟ اور ''زاہد ادھر آؤ'' کہہ کر بلانے والا کون ہوگا؟

وفات کے وقت ان کی عمر ہجری حساب سے اٹھانوے برس تھی کہ وہ اپنا سن ولادت ۱۳۳۲ھ بتایا کرتے تھے۔ ان کے والد محترم جناب نور احمد خان مرحوم شاہراہ ابریشم پر واقع شنکیاری سے چند میل کے فاصلے پر کٹر منگ کے قریب ایک پہاڑی چوٹی ''چیراں ڈھکی'' میں رہتے تھے۔ چھوٹے موٹے زمیندار تھے، سوات کے معروف روحانی پیشوا حضرت اخوندازہ عبد الغفور سواتی سے بیعت و عقیدت کا تعلق تھا۔ ضلع مانسہرہ کے طول و عرض میں آباد سواتی قوم میں سے تھے۔ انھوں نے دینی تعلیم اپنے چھوٹی بھائی مولانا صوفی عبد الحمید سواتیؒ کے ہمراہ (جن کا گزشتہ سال اپریل میں انتقال ہوا ہے) مانسہرہ، گوجرانوالہ، جہانیاں منڈی، ڈوالہ سندھواں اور دوسرے علاقوں میں دینی مدارس میں حاصل کی۔ ۱۹۴۱ء میں دار العلوم دیوبند پہنچے، جہاں دونوں بھائیوں نے دورۂ حدیث کیا اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ کے ساتھ سندِ فراغت و فضیلت حاصل کی۔ ۱۹۴۳ء میں وہ گکھڑ آ گئے اور جی ٹی روڈ پر ایک مسجد میں امامت و خطابت کا سلسلہ شروع کیا جو ۲۰۰۰ء تک مسلسل جاری رہا۔ پانچ وقت نمازوں کی امامت، نمازِ فجر کے بعد بلا ناغہ قرآن

وحدیث اور جمعہ وعیدین کے خطبوں کے علاوہ درسِ نظامی کے مختلف درجات کی تدریس کم وبیش ساٹھ برس تک ان کا روزمرہ کا معمول رہی۔

وقت کی پابندی میں لوگ مولانا ظفر علی خان مرحوم کے ساتھ ان کا نام بھی لیا کرتے تھے اور ان کے معمولات کو دیکھ کر لوگ اپنی گھڑیاں سیدھی کیا کرتے تھے۔ ۱۹۵۲ء میں گوجرانوالہ میں ان کے بھائی مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ نے مدرسہ نصرۃ العلوم قائم کیا تو اس کی تدریس سے وابستہ ہوئے اور صدر مدرس، شیخ الحدیث اور ناظم تعلیمات کی حیثیت سے ۲۰۰۰ء تک خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اس کے علاوہ گورنمنٹ نارمل سکول میں اساتذہ کی تربیت کے لیے جے وی، ایس وی اور سی ٹی طرز کے کورسز ہوتے تھے۔ ان کورسز کے شرکاء کو روزانہ درسِ قرآن کریم کی صورت میں قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر سے بہرہ ور کرنے کا سلسلہ بھی کم وبیش ربع صدی تک جاری رہا۔ ایک بار ہم نے ان اداروں سے تعلیم پانے والے حضرات کے اعداد وشمار کا محتاط انداز سے حساب لگانا چاہا تو خاصی احتیاط کے ساتھ کیے گئے اندازے میں یہ نتیجہ سامنے آیا کہ حضرت مرحوم کے براہِ راست شاگردوں کی تعداد تیس ہزار سے کسی طرح کم نہیں ہوگی جو دنیا کے مختلف ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں اور کسی نہ کسی شعبے میں دینی اور تعلیمی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ مجھے دنیا کے مختلف حصوں میں وقتاً فوقتاً جانے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ امریکہ، یورپ، افریقہ، مشرق بعید، مشرق وسطیٰ اور وسط ایشیا کا کوئی علاقہ ایسا نہیں دیکھا، جہاں ان کا کوئی نہ کوئی شاگرد موجود نہ ہو اور دینی خدمات سرانجام نہ دے رہا ہو۔

ان کی دو بیویاں تھیں، جن سے ہم بارہ بھائی اور تین بہنیں پیدا ہوئے۔ تین بھائی بچپن میں ہی فوت ہوگئے۔ نو بھائی جوان ہوئے جو سب کے سب دینی تعلیم سے آراستہ ہیں، عالم ہیں، حافظ ہیں، قاری ہیں اور دینی تعلیم کے کسی نہ کسی شعبے سے وابستہ ہیں۔ تینوں بیٹیوں کو دینی تعلیم سے بہرہ ور کیا۔ تینوں قرآن کریم کی حافظہ ہیں اور درسِ نظامی کی تعلیم سے بھی فیض یافتہ ہیں، تینوں دینی علوم کی تدریس میں مصروف ہیں۔ والد محترم خود حافظ قرآن نہیں تھے مگر سب بیٹوں اور بیٹیوں کو قرآن کریم حفظ کرایا۔ ان سے کوئی پوچھتا کہ حضرت! آپ حافظ ہیں؟ تو جواب میں کہتے کہ ''میں حافظوں کا باپ ہوں''۔ ایک بار ہم نے ان کے بیٹوں، بیٹیوں، پوتوں، پوتیوں، نواسوں، نواسیوں اور پھر آگے ان کی اولاد میں قرآن کریم کے حافظوں کا شمار کیا تو ان کی تعداد چالیس سے زیادہ تھی۔ اس لیے وہ فی الواقع حافظوں کے باپ تھے۔

وقت کی پابندی کے ساتھ ساتھ ان کی یادداشت اور علوم کا ذہنی استحضار بھی ضرب المثل تھا۔ گزشتہ نو برس سے صاحب فراش تھے۔ کروٹ اپنے اختیار سے نہیں بدل سکتے تھے مگر یادداشت کا یہ عالم تھا کہ کتاب کے باب اور صفحہ نمبر کے ساتھ حوالہ بتایا کرتے تھے۔ اس حالت میں بھی ہمیں کسی مسئلے یا حوالے کے بارے میں تردد ہوتا تو ان سے پوچھتے اور وہ جس کتاب اور جس صفحے کا حوالہ دیتے، وہ وہیں مل جاتا تھا۔ اخبار باقاعدگی سے سنتے تھے۔ حالات سے باخبر رہتے تھے اور

تبصرہ بھی کرتے تھے۔ میرا معمول جمعہ کے روز شام کو تھوڑی دیر کے لیے ان کے پاس حاضری کا تھا۔ ملکی حالات کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔ مجاہدین کی سرگرمیاں اور سوات و دیگر شمالی علاقوں کے حالات ان کی پریشانی اور دلچسپی کے خاص موضوعات تھے۔ آخری دنوں میں سوات کے بارے میں خبریں سن کر اور حالات معلوم کر کے رویا کرتے تھے۔ کتاب اور علم کے ساتھ دلچسپی آخر وقت تک قائم رہی۔ کسی نئی کتاب کے بارے میں معلوم ہوتا تو فرمائش کر کے منگواتے تھے اور کچھ نہ کچھ سنتے رہتے تھے۔

میں ان کی وفات سے تین چار روز پہلے بیرونی سفر سے واپس آیا ہوں۔ برطانیہ اور سعودی عرب کا سفر تھا۔ جانے سے پہلے میں نے بتایا اور دعا کے لیے کہا تو دعا کے ساتھ کہا کہ حدیث کی کتاب ''مسند ابی یعلیٰ'' کے بارے میں سنا ہے کہ چھپ گئی ہے۔ وہ میرے لیے لیتے آنا۔ اس کتاب کا محدثین کے ہاں اکثر تذکرہ ملتا ہے اور اس کے حوالے بھی دیئے جاتے ہیں مگر مطبوعہ صورت میں کافی عرصے سے ناپید تھی۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور جدہ کے نصف درجن سے زائد کتب خانوں میں تلاش کے بعد وہ کتاب حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ مگر گزشتہ جمعہ کے روز میں نے جب ''مسند ابی یعلیٰ'' ان کی خدمت میں پیش کی تو وہ معذوری کے آخری مراحل میں داخل ہو چکے تھے اور گفتگو بھی اشاروں میں ہی کر پا رہے تھے۔

تمام عمر دینی و قومی تحریکات میں حصہ لیتے رہے۔ تحریک آزادی میں جمعیت علماء ہند کے پلیٹ فارم سے حصہ لیا۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں کم و بیش دس ماہ اور ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں ایک ماہ تک جیل میں رہے۔ ایک طویل عرصے تک جمعیت علماء اسلام ضلع گوجرانوالہ کے امیر رہے اور نفاذِ شریعت کی جدوجہد میں سرگرم حصہ لیتے رہے۔ وہ اہل سنت کے دیوبندی مکتبِ فکر کے علمی ترجمان سمجھے جاتے تھے۔ انھوں نے مسلکی اختلافات کے حوالے سے مختلف موضوعات پر پچاس سے زیادہ ضخیم کتابیں لکھی ہیں، جن کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔ ان کے اندازِ تحقیق، اسلوبِ بیان اور علمی ثقاہت کا ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے بھی کھلے دل کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ جن کی کتاب ''دو اسلام'' کا تحقیقی جواب انھوں نے ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران ملتان جیل میں تحریر کیا تھا۔ ڈاکٹر برق مرحوم نے ''دو اسلام'' کے آخری ایڈیشن میں لکھا ہے کہ اس کتاب کے جواب میں لکھی جانے والی کتابوں میں جس کے اسلوبِ بیان، تحقیق اور متانت سے وہ متاثر ہوئے ہیں، وہ مولانا سرفراز خان صفدر کی کتاب ''صرف ایک اسلام'' ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کی وفات پر لوگوں کو روتے ہوئے دیکھ کر مولانا سید حسین احمد مدنی نے کہا تھا کہ تم کیوں روتے ہو؟ تمہارے لیے تو ہم ہیں، رونے کا حق تو ہمارا ہے کہ ہمارے لیے کوئی نہیں رہا۔ آج اہل علم یتیم ہو گئے ہیں کہ مشکل وقت میں رہنمائی کے لیے جن سے رجوع کیا کرتے تھے، وہ ہم سے رخصت ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ہمیں ان کی حسنات کا سلسلہ جاری رکھنے کی توفیق سے نوازے..... آمین، یارب العالمین۔